ایونز ہوپکنز

مسلمان اور غیر مسلم

ڈاکٹر ہاپکنز مسلمانوں اور عیسائیوں میں اتحاد و تعاون کے بڑے حامی ہیں اور واشنگٹن میں ایک ادارہ کے معتمد عمومی ہیں جو اسی مقصد سے قائم کیا گیا ہے۔ انھوں نے اسلامی مجلس مذاکرہ میں اس موضوع پر مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار کیا۔

دوسرے مذاہب کے ساتھ اسلام کے رویے اور روابط کی نوعیت کیا ہے۔ یہ ایسا موضوع ہے کہ جو بین الاقوامی روابط کے اس دور میں تمام مذاہب کے سامنے آنا چاہیئے۔ موجودہ دور میں، جب کہ آمد و رفت اور رسل و رسائل کی بے شمار سہولتیں ہو گئی ہیں، مذاہب پہلے کی طرح اپنے آپ کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں رکھ سکتے۔ کوئی بڑا مذہب اب دوسرے مذاہب سے علیحدگی اختیار نہیں کر سکتا۔ قدیم زمانے میں ایک خاص عقیدے کے لوگ ایک ایسی ممنوع سرزمین میں زندگی بسر کرتے تھے جہاں دوسرے عقیدے والوں کا گزر نا ممکن ہوتا عقائد و نظریات کی باہمی اثر اندازی یا تو صرف ملحقہ سرحدوں تک محدود ہوتی یا اقلیتیں کسی حد تک متاثر ہوتیں۔ لیکن یہ نوبت کبھی نہ آئی کہ دو مختلف عقائد کے علمبردار و رہنما خود باہمی مذاکرے سے کسی نتیجے پر پہنچے ہوں، یا ایک دوسرے کو قائل کر سکے ہوں۔ لیکن اب حالات بدل چکے ہیں۔ دنیا سائینس کے دور سے گذر رہی ہے۔ جہاں ایک سرے سے دوسرے سرے تک جٹ طیارے پرواز کرتے ہیں اور لاسلکی کے ذریعے دنیا کے آخری کونے تک پیغام پہنچا دیا جاتا ہے۔ اور تیزی سے ہمارے قریب آتے ہوئے دور میں تو فاصلے اور بھی مختصر ہو جائیں گے۔ ایٹمی دور میں تو آج کل ایک مذہب کا پیرو دور دراز علاقے کے دوسرے مذہب کے پرستار سے صرف اتنے فاصلے پر ہے جتنی دور اس کا ریڈیو اس کی نشست سے۔

ان حقائق کو اگرچہ ہر مذہب نے محسوس کیا ہے لیکن اس رفتار کے ساتھ دنیاوی ترقی نے اسلامی دنیا کو بہت متاثر کیا ہے۔ دنیا کی سیاسیات و معاشیات نے جن کے اثرات سے ہر ایک آگاہ ہے اسلام کو اس بات پر مجبور کیا ہے کہ وہ اپنی تاریخ اور شریعت سے ایسے اصول اخذ کرے جن کی روشنی میں وہ ان نئے حالات کا ساتھ دے سکے اور دوسرے مذاہب سے اپنے رابطے اور رویے کی حدود مقرر کر سکے۔ اس رویے اور رابطے کے بارے میں اسلام کے نظریات کا تجزیہ مندرجہ ذیل تین عنوانوں کے تحت کیا جا سکتا ہے:

(۱) توحید کے منکر مذاہب (۲) عیسائیوں کے علاوہ دوسرے اہل کتاب اور (۳) عیسائی۔

مسلمان اور شرک توحید کے منکر مذاہب سے اسلام کے رویے کا ذکر قرآن و حدیث میں بار بار آیا ہے اور اس کی کافی تفسیر بھی کی جا چکی ہے۔ اس مسئلے پر جہاں مسلمان مفسرین کی تاویل و تفسیر میں اس حد تک تضاد ہے کہ کوئی کہتا ہے" ان سے دور رہو" اور کوئی کہتا ہے" انھیں گوارا رکھو" اور تیسرا کہتا ہے کہ" ان کی عزت کرو اور ان سے تعاون کرو" میں مفسرین کی ان تاویلات کے متعلق کچھ عرض نہیں کروں گا۔ میں اس مسئلے پر ہمدردانہ رویہ رکھنے والے ایک غیر مسلم شاہد کی طرح نظر ڈالوں گا۔ میرے مشاہدات یہ ہیں۔

۱۔ آج کل کے مسلمان غیر مذاہب سے تعلقات استوار کرنا چاہتے ہیں، ان سے عزت سے پیش آتے ہیں اور ان کے حقوق کا تحفظ کرتے ہیں۔

۲۔ مسلمان ایسے عقائد کو کلام الٰہی تسلیم نہیں کر سکتے جو اسلام کے نظریات کے خلاف ہوں، یا توحید کی نفی کرتے ہوں۔

۳۔ مسلمان جو ایک عالمگیر عقیدے کے معلّم ہیں انہیں مشرکین میں بھی اپنے عقائد کا مشاہدہ کرنا چاہیئے۔

افریقہ اور ایشیاء کی اقوام کے درمیان پچھلے چند برسوں میں جو مضبوط روابط قائم ہوئے انہیں دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کم از کم بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں نے مشرک اقوام کے ساتھ روابط بڑھائے ہیں۔ اور قریب سے مطالعے کے بعد یہ بھی پتہ چلے گا کہ یہ اتحاد قومیت کی بنیادوں پر بھی قائم کیا جا رہا ہے۔ خاص طور پر ان ملکوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں یا صرف ان کے چند نمایندے کام کر رہے ہیں۔

مشرکین سے روابط قائم کرنے کے بارے میں ممکن ہے کوئی شخص مذہبی نقطۂ نظر سے اعتراض کے پہلو نکال لے لیکن روابط قائم کرنے کے حق میں بھی قرآن حکیم سے قوی دلائل مہیا کئے جا سکتے ہیں۔ سورہ الممتحنہ میں درج ہے:

> " اللہ تمہیں ان سے جنگ کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے لڑائی نہیں لڑی صرف اس لئے کہ تم دوسرے مذہب کے تھے تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا یا نکالنے والوں کی امداد نہیں کی۔ تمہیں ان کی طرف محبت و دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہیئے اور ان سے انصاف کرنا چاہیئے۔ تحقیق اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (سورہ الممتحنہ ۶: ۸)

اسی سورۃ میں آگے چل کر آتا ہے:

> " یہ اللہ تعالےٰ کے اختیار میں ہے کہ تمہارے اور ان کے دلوں میں جو تمہارے دشمن ہیں باہمی محبت پیدا کر دے۔ خدا قدرت والا اور غفور الرحیم ہے" (سورۃ الممتحنہ ۔۶: ۷)

اور سورہ المائدہ میں آیا ہے:

> " اے مومنو۔ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رکھو۔ کہیں نفرت تمہیں بے انصافی پر نہ مائل کر دے۔

انصاف کرو۔ یہی تمہارے فرض سے قریب ہے۔" (المائدہ ۵:۸)

بخاری ومسلم رحمۃ اللہ علیہما کی حدیث ہے کہ "دوسرے انسانوں کے لئے وہی چاہو جو تم اپنے لئے چاہتے ہو۔"

میرے خیال میں شیخ مصطفیٰ السبائی کے الفاظ موجودہ دور میں اسلام اور دوسرے مذاہب ومشرکین میں تعلقات کی بہترین وضاحت کرتے ہیں۔ انہوں نے ۱۹۵۴ء میں بجدون کے مقام پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا "عزت ہر شہری کا حق ہے نفس کی عزت، شہرت کی عزت، زندگی کی عزت۔ اللہ تعالیٰ کا مقدس ارشاد ہے کہ "ہم نے ابن آدم کو عزت بخشی۔" چونکہ اللہ نے ہر بنی آدم کی توقیر لازمی قرار دی ہے اس لئے فرمایا کہ "ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔ اس نے یہ نہیں کہا کہ "ہم نے مسلمانوں کو عزت بخشی۔"

اگرچہ مسلمانوں نے غیر مسلموں اور مشرکوں سے ایک دوسرے کی بھلائی کی خاطر تعلقات بڑھائے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ غیر مسلموں کے مذہب کو اچھا سمجھتے تھے۔ قرآن میں ہزار سے زیادہ آیات ہیں جو خدا کی وحدانیت کا اعلان کرتی ہیں اور شرک کو برا کہتی اور اس سے ڈراتی ہیں۔ یہ نظریہ کہ ہر ایک مذہب سچا اور خامیوں سے پاک ہے، اور ہر مذہب ایسا ہی مفید اور سچا ہے جیسا کہ دوسرا، مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ "اللہ صرف ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔" یہ عقیدہ اس دور میں اتنا ہی سچ ہے جتنا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا اور اتنا ہی سچ اس وقت تک رہے گا جب تک اسلام زندہ ہے۔ مسلمانوں کے لئے یہ عقیدہ ایک لازوال حقیقت ہے جس میں ترمیم کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان قوم کو ایک مثالی قوم کی حیثیت دی گئی اور شہادت یا گواہی ان ہی سے مخصوص ہوگئی۔ سورۃ البقر میں ارشاد ہے:

"کہو اللہ مشرق ومغرب کا مالک ہے جسے وہ چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے، ہم نے تمہیں قوم وسطیٰ بنایا ہے تاکہ تم لوگوں کے لئے گواہ رہو۔"

میرا اس موضوع پر بحث کرنے کا ارادہ نہیں کہ آیا اسلام ایک تبلیغی یا مشنری مذہب ہے یا نہیں اور نجات کے بارے میں اس کے کیا نظریات ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ خدا نے مسلمانوں کو اپنا مذہب اور اپنی سچائی اور حقیقت پھیلانے کے لئے منتخب کیا ہے اور مسلمان غیر مسلموں میں اس بات کا شاہد بن کر رہتا ہے کہ وہ خدا کے پیغام کا علمبردار ہے۔ صرف مسلمان کہلائے جانے کا اصول (جس کی وجہ سے وہ غیر مسلموں سے الگ مذہب کا سمجھا جاتا ہے) ایسا ہے جس نے افریقہ میں مذہبی رہنماؤں اور انڈونیشیا میں تاجروں کے ذریعے اسلام پھیلایا اور چند صدیوں میں لاکھوں کروڑوں اشخاص اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے۔ اور مسلمان اس طریق سے آج کل کی طرح مستقبل میں بھی غیر مسلموں سے ممیز کئے جاتے رہیں گے۔

اسلام کا عقیدہ یا مقصد جو کچھ بھی ہو مسلمان غیر مسلموں میں رہتے ہوئے بھی اپنے عقائد کے پابند رہیں گے، کیونکہ ان کے خدا کی خوشی یہی ہے کہ لوگ پرانے عقائد چھوڑ کر اسلام کے دامن میں پناہ لیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ اسلام کی

تبلیغ کی منظم کوششیں بھی زور پکڑیں گی اور ہر علاقہ اور قریہ میں اس کوشش کا ظہور ہوگا۔ افریقہ کے بت پرست مذاہب ان کوششوں کی اتنی مخالفت نہیں کرینگے۔ حالات کی تبدیلی اور سائنس کی ترقی نے نسلی و علاقائی خداؤں یا دیوتاؤں کے لئے اب بہت کم گنجائش رکھی ہے۔ پچھلی دو صدیوں میں ان حقائق سے آگاہ ہو کر عیسائیت نے کئی تبلیغی جماعتیں افریقہ میں بھیجیں۔ آج سے ایک صدی پہلے یہ خیال تھا کہ تمام افریقہ عیسائی مذہب اختیار کرے گا۔ لیکن یہ خوش فہمی دو وجوہات کی بنا پر پوری نہیں ہو سکی۔

(۱) نسلی امتیازات کا مسئلہ اور مطلق العنانی کی پالیسی جو افریقہ اور یورپ کی نو آبادیات پسند حکومتوں نے اختیار کر رکھی ہے اور نسلی امتیازات دور کرنے میں عیسائیت کی ناکامی نے اس خوش فہمی کو پورا نہ ہونے دیا۔

(۲) اسلام کی "مسلم کانگرس" جیسی منظم جماعتوں کی افریقہ میں تبلیغ نے بھی عیسائیت کو پنپنے نہیں دیا۔ اگر تمام افریقہ مسلمان نہ ہو جائے تو یہ معجزے سے کم نہ ہوگا۔ اب اگر اسلام کی راہ میں کوئی خطرہ ہے تو وہ کمیونزم ہے عیسائی مذہب تو میدان چھوڑ چکا ہے۔

ان ایشیائی ممالک میں جہاں منظم مسلم اقلیتیں غیر مسلم اکثریت سے متقابل ہیں اگر موجودہ دور میں جبکہ اسلام کو دوبارہ نئے حالات کے تحت جانچنے کا کام شروع ہو چکا ہے باہمی تعلقات پر نظر ثانی کریں تو دونوں کے قومی و سماجی روابط مضبوط بنیادوں پر استوار ہو جائیں گے۔

اسلام کو ان لوگوں سے بھی فراخدلی سے پیش آنا چاہئے اور باہمی تعلقات قائم کرنا چاہئے جو مساوات کے گرویدہ بلکہ پرستار ہیں۔ لاکھوں کی تعداد میں مسلمان ایسے ممالک کے باشندے ہیں جن کی حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ مذہب کو نہ پنپنے دیا جائے اور اسے آہستہ آہستہ ختم کر دیا جائے۔

اسلام نے ایسے موقع پر کیا قدم اٹھایا؟ اور وہ مستقبل میں اس مسئلے کا کیا حل تلاش کرے گا؟

اسلام کو ان حقائق سے دوچار ہوئے بغیر چارہ نہیں۔ دوسرے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ان گمراہ مسلمانوں کو راہِ راست پر لائیں اور الحاد و بے دینی کے منہ میں جانے سے بچائیں۔ اس بچاؤ کے ذرائع اور طریق ہائے کار ابھی تک عملی صورت میں کہیں بھی رونما نہیں ہوئے اگر ایسا جلد از جلد نہ کیا گیا تو موقع اور وقت ہاتھ سے نکل جائے گا۔

مسلمان اور اہلِ کتاب

عیسائیوں کے علاوہ دوسرے اہلِ کتاب مذاہب کے ساتھ اسلام کا رویہ چند جدید تاریخی حادثات کی بنا پر بہت پیچیدہ مسئلہ بن گیا ہے۔ اسلام عیسائیوں کے علاوہ صابئیوں اور یہودیوں کو بھی اہلِ کتاب تسلیم کرتا ہے۔ چند عراقی صابی جو اصل مذہبی صابئیوں کی اولاد تھے قرآن نے انہیں اس علاقے سے نکل جانے کا حکم دیا ہے۔ اہلِ کتاب کے اصول نے بعد میں زرتشتیوں کو بھی مان لیا کیونکہ ان کے ہاں الٰہی کلام نازل ہوا تھا لیکن اس اصول کے برے نتائج بھی برآمد ہوئے خواہ اس کی وجہ سیاسی مصلحتیں ہوں یا نا سمجھی کی وجہ سے غلط استعمال قرآن نے حران کے صابئیوں کو بھی اہلِ کتاب مانا ہے اگرچہ وہ اس وقت روم کے بڑے مندر میں پرستش کرتے تھے۔ ابن بطوطہ نے ہندوستان و چین

میں بھی ایسے ہی حالات کا ذکر کیا ہے۔ شاید اس اصول میں وسعت پیدا کرنے اور رعایت دینے کی بنیاد اسلام کا وہی بنیادی اصول یعنی "دوسروں کے بتوں کو برا نہ کہو" ہے۔ اس اصول کا پہلے ذکر آچکا ہے۔ اور وہ اصول بھی شاید اہلِ کتاب کے اصول کے پیشِ نظر وضع کیا گیا تھا۔

آج کل کے مسلمان ان اصولوں کے پہلے سے بھی زیادہ پابند نظر آتے ہیں۔ اور اہلِ کتاب میں عیسائی اور یہودی مذاہب کو شامل کرتے ہیں اس لئے اب ہم صرف اسلام کا یہودیت کے بارے میں رویہ اور اس سے تعلقات کا ذکر کریں گے

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بلاذری نے یوں روایت کی ہے "جو کسی یہودی یا عیسائی سے برا سلوک کرتا ہے قیامت کے روز میں اس کی مخالفت کروں گا" قرآن میں اگرچہ ایسی آیات ہیں جن میں عیسائیوں کو اتنی رعایت نہیں دی گئی اور یہودیوں سے سختی برتی گئی ہے، لیکن اسی حدیث سے جو قرآن کے احکام کی وضاحت کرتی ہے، یہ ظاہر ہے کہ اسلام نے انہیں دوسرے مذاہب سے بلند تر مقام عطا کیا ہے۔

اسلام کی تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ مسلم مملکتوں میں ہمیشہ عیسائیوں اور یہودیوں کو مذہبی آزادی حاصل رہی ہے وہ اپنی انفرادی و اجتماعی مذہبی رسومات پورے اہتمام سے ادا کرتے تھے اور ان کی جان و مال کی حفاظت کی جاتی تھی۔ ہر مذہب میں چند مستثنیات ہوا کرتی ہیں۔ لیکن مجموعی طور پر اسلامی حکومتوں نے عیسائیوں اور یہودیوں سے بہتر سلوک کیا ہے۔

یہودیوں نے پُراذیت حالات میں اسلامی ملکوں میں پناہ ڈھونڈی ہے اور انہیں پناہ ملی ہے۔ اس کے علاوہ وہ اعلیٰ عہدوں پر بھی فائز کئے گئے ہیں اور معاشرتی زندگی میں بھی نمایاں حیثیت کے مالک رہے ہیں۔

بدقسمتی سے جدید صیہونی تحریک نے جس کی وجہ سے یہودیوں کو مسلم اکثریت کی آبادی میں حکومت سونپ دی گئی ہے باہمی تعلقات کو بگاڑ دیا ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ جہاں بھی مسلم اکثریت رہی ہے وہاں یہودیوں کے مذہب کے خلاف کارروائی کی جاتی رہی ہے۔ پُرامن یہودیوں کی اب بھی قدر کی جاتی ہے۔ انھیں نہ صرف عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے بلکہ اعلیٰ عہدوں پر بھی فائز کیا جاتا ہے۔ ایسے کئی یہودی مل جائیں گے جو تجارت، تعلیم اور حکومت کے محکموں میں نمایاں حیثیت کے مالک ہیں۔ لیکن اس صیہونی تحریک اور اعانت کی وجہ سے یہودیوں کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اگرچہ اب تک ان کے حقوق کی حفاظت کی جاتی رہی ہے لیکن اب بعض ایسے افسوسناک واقعات پیش آئے ہیں جن کا اثر مدت تک زائل نہیں ہو سکتا۔

لیکن فی الحال دونوں مذاہب کے امن پسند عناصر کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ یہ نئی خلیج کم ہو جائے اور پھر پہلے سے تعلقات قائم ہو جائیں۔ تاکہ اعتماد و یقین کی فضا پیدا ہو جائے۔ یہودی اقلیتوں پر بھروسہ کر لیا جائے اور کسی نہ کسی طرح اس افسوسناک اور خطرناک صورتِ حالات کا کوئی حل نکل آئے۔ یہ مسئلہ ضرور حل کر لینا چاہئے تاکہ دنیا امن سے رہنے کے قابل ہو سکے۔ جب تک کہ فلسطینی پناہ گزینوں کا مسئلہ موجود ہے دنیا میں مسلمانوں اور یہودیوں میں بہترین تعلقات

کی اُمید کم ہی کی جا سکتی ہے۔

مسلمان اور عیسائی

عیسائی مذہب کے ساتھ اسلام کا جو رویہ اور تعلقات رہے ہیں ان کا ذکر میں نے ایک علیحدہ باب میں اس لئے کیا ہے کہ دنیا کے ان دو سب سے بڑے مذاہب کے روابط کی نوعیت ہمیشہ سے منفرد انداز کی رہی ہے اور رہے گی۔ میں اس سلسلے میں قرآن کی ان آیات کا ذکر نہیں کروں گا جن کی بنیادوں پر یہ روابط استوار ہوئے ہیں، اس لئے کہ لوگ ان سے بخوبی واقف ہیں۔ البتہ صرف یہ کہہ دینا کافی ہو گا کہ ان دو مذہبوں کے درمیان جتنی باتیں مشترک ہیں اتنی دنیا کے کسی دو مذہبوں کے درمیان نہیں ہیں "تم ان لوگوں کو دوستی میں قریب تر پاؤ گے جو کہتے ہیں تحقیق ہم عیسائی ہیں اس لئے کہ ان میں کئی راہب اور پادری ہیں اور وہ غرور نہیں کرتے" (المائدہ ۵-۸۲ب)

ماضی میں مسلمان اور عیسائی زندگی کے ہر شعبے میں مل جل کر کام کرتے رہے ہیں۔ اُنہوں نے شانہ بہ شانہ ہر مہم سر کی اور قدیم ایشیائی عدالتوں میں اکٹھے رہے ہیں۔ عیسائی عموماً ذمے دار حیثیت کے مالک رہے اور حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔ وہ صاحب علم ہونے کی حیثیت سے بھی اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے بہترین تعلقات کی وجہ، جو صدیوں تک مسلم مشرقی ممالک میں قائم رہے، اسلام کا یہ اصول ہے کہ دوسرے کے وجود کو گوارا کرو اور اس کی عزت کرو۔ تمام اسلامی ملکوں نے ہمیشہ عیسائیوں کے وجود کو فراخدلی کے ساتھ قبول کیا اور ان کے ساتھ عزت سے پیش آئے جس کی وجہ سے عیسائی اقلیتوں اور دوسرے مذہبی عناصر کو پھلنے پھولنے کا کافی موقع ملا۔ لیکن بدقسمتی سے دونوں کا آمنا سامنا مناظرے کی صورت میں ہوا۔ بعض اوقات تو تبادلۂ خیال خوشگوار فضا میں ہوا لیکن بعض دفعہ ایسے مواقع بھی پیش آئے جب معاملہ تلخ کلامی تک پہنچا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں قومیں تعصب کا شکار ہو کر اپنی اپنی راہ پر گامزن ہو گئیں۔

مشرقی ممالک میں آج کل جو جمہوریت پھیل رہی ہے اس کے لئے صرف تحمل یا دوسرے کے وجود کو برداشت کرنے کا اصول ہی کافی نہیں ہے، بلکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ تمام شہریوں کے خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، مساوی شہری و قانونی حقوق ہوں۔ قانون کی نگاہ میں سب برابر ہوں معاشرتی زندگی میں انھیں ان کے حقوق ملنے چاہئیں۔ ان حالات میں صرف یہ پرانا اصول کہ چونکہ کوئی اہلِ کتاب ہے اس لئے اس کے وجود کو برداشت کر لینا چاہیئے، موجودہ حالات میں کام نہیں دے سکتا۔ اس میں وسعت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

حال کے حقائق سے آنکھیں بند کرنے کے بجائے مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں کا فرض ہے کہ وہ اس دور کے تقاضوں کو سمجھیں۔ ہمیں اپنے پرانے تعلقات و روابط پر نظر ثانی کرنی اور انھیں جدید شکل دینی چاہیئے۔ مشرق میں ایسی تحریکیں وجود میں آ رہی ہیں جو سماجی ڈھانچے کو متاثر بلکہ منتشر کئے بغیر نہیں رہ سکتیں، وہ یقیناً سیاسی و معاشی عمارت کی بنیادیں بھی متزلزل کر دیں گی۔ ایسے حالات میں جبکہ نئے نئے خیالات جنم لے رہے ہوں اور نئی نئی جماعتیں اُبھر رہی ہوں کیا مذہب پر کوئی اس کا اثر نہ پڑے گا؟ ہمیں یہ توقع نہیں کرنی چاہیئے کہ ہماری رہنمائی کے لئے نئی وحیاں نازل ہوں گی۔ اس لئے کہ جو

وحیاں نازل ہو چکی ہیں وہ ہماری رہنمائی کے لئے کافی ہیں۔ لیکن کیا ہم ایک دوسرے سے رابطہ قائم کرنے کے نئے طریقے نہیں اختیار کر سکتے۔ ایسے طریقے جن سے ہم ایک دوسرے کے اندرونی روحانی محرکات کی تہ کو پہنچ سکیں۔

شاید اس وقت کا اور مستقبل قریب کا سب سے اہم مسئلہ یہی ہے کہ مسلمان اور عیسائی مناسب تعلقات قائم کرنے کے لئے ایک دوسرے کو بہتر طریق سے سمجھنے کی کوشش کریں۔

یقیناً وہ زمانہ گزر چکا جب عیسائی اسلام کو سمجھنے کے لئے صرف عیسائی مصنفوں پر بھروسہ کرتے اور مسلمان عیسائیت کو سمجھنے کے لئے صرف مسلمان علماء کی کتابوں کے مطالعے پر اکتفا کرتے تھے عیسائیوں اور مسلمانوں بلکہ عیسائیت اور اسلام دونوں کو ایک دوسرے کے علم و تجربے سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ یہ کام بین الاقوامی بنیادوں پر سیاسیات و معاشیات کے میدان میں تو ہو رہا ہے لیکن ثقافت و تہذیب کے میدان باہمی مذاکرے سے تقریباً خالی ہیں۔ مذہب سے متعلق صرف ابتدائی مذاکرات عمل میں لائے گئے ہیں۔ البتہ ۱۹۵۴ء میں لبنان کے مقام بحمدون میں مسلم عیسائی تعلقات کے بارے میں جو بین الاقوامی کانفرنس منعقد کی گئی اور پھر ۱۹۵۵ء میں اس کمیٹی کی سرکردگی میں طہران یونیورسٹی، اسکندریہ اور بحمدون میں جو جلسے ہوئے تھے اور پھر مراکش میں بمقام طیولیلائن دو سال سے جو اجلاس ہو رہے ہیں ان کے تجربات اس بات کے شاہد ہیں کہ مسلمانوں میں نئی تحریکیں ابھر رہی ہیں۔ ان حالات میں اس بات کی توقع کی جا سکتی ہے کہ روابط کی بنیاد پرانی اصطلاح "تحمل" نہیں ہوگی بلکہ جدید اصطلاح میں "باہمی تعاون" ہوگی۔

اِسلام اور مذاہبِ عالم

مصنفہ مظہر الدین صدیقی

مذاہبِ عالم اور اسلام کا ایک تقابلی مطالعہ۔ کتاب ہذا یہ وضاحت کرتی ہے کہ اسلام انسان کے مذہبی ارتقاء کی فیصلہ کن منزل تھی۔ اس نے تمام مذاہب کے حقائق کو یکجا کر کے اپنی وحدت میں سمو لیا ہے۔

صفحات ۲۹۸۔ قیمت ۸/۴ روپے

ملنے کا پتہ

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور